انڈونیشیا اور اسلام

از جناب محمد فیاض صاحب

• گذشتہ سے پیوستہ •

(۲)

سنان گری مولانا اسحٰق کی ہجرت کے بعد بالم بنگن میں ایک بار پھر زبردست وبا پھیلی، راجہ نے مشہور کیا کہ اس وبا کے اسباب مولانا کی سرگرمیاں اور ان کا لایا ہوا مذہب تھے، اس بہانے اس نے مولانا کے نوزائیدہ بچے کو جس کا نام اس کی ماں نے مولانا کی ہدایت کے مطابق رادن پاکو RADEN PAKU رکھا تھا قتل کرنیکا حکم دے دیا لیکن اپنی لڑکی کے رونے دھونے سے قتل سے باز آیا اور بچہ کو صندوق میں بند کرکے سمندر میں ڈلوا دیا بچہ کی ماں سے یہ نہ دیکھا گیا تو اس نے سمندر میں کود کر جان دیدی۔

اس حادثہ کے وقت گریسیک کی ایک امیر تاجر عورت کا جہاز بالی جا رہا تھا، راستہ میں زبردست طوفان آیا اور جہاز راستہ سے بھٹک گیا طوفان ختم ہونے پر ملاحوں کو وہ صندوق تیرتا ہوا ملا۔ ناخدا نے اس میں سے بچے کو نکالا اور گریسیک لے آیا اور اپنی مالکہ نیائی گڈے پناتی NJAI GEDE PENATI کو دیا جس کے کوئی اولاد نہ تھی، پناتی نے لڑکے کو پالا اور سمندر سے دریافت ہونے کی رعایت سے اس کا نام جوکو سمندر[1] رکھا DJOKO SAMUDERA، جوکو سمندرا ابھی گیارہ سال کے تھے کہ پناتی نے انھیں سنان امپل کے مدرسہ میں تعلیم کیلئے بھیج دیا۔ سنان بچے کے اطوار سے بہت متاثر ہوئے اور بعد میں جب ان کی روداد معلوم ہوئی تو انھوں نے مولانا اسحٰق کی ہدایت کے مطابق ان کا نام رادن پاکو رکھ دیا۔ یہی رادن پاکو تھے جو بڑے ہو کر سنان گری کہلائے رادن پاکو کی کرامت کے بارے میں ایک دلچسپ داستان مشہور ہے۔ ایک رات سنان امپل اپنے مدرسے

[1] جاوانی زبان میں لفظ جوکو بمعنی طفل۔

کی اقامت گاہ کا معائنہ کر رہے تھے کہ انھوں نے دیکھا ایک طالب علم کے سوتے ہوئے جسم سے شعاعیں سی نکل رہی ہیں انھوں نے اس کی پہچان کرنے کیلئے اس کے تہمد میں اُس وقت ایک گرہ لگا دی صبح انہیں معلوم ہوا کہ وہ نوجوان رادن پاکو تھے اس دن سے سنان نے رادن پاکو کی تعلیم کی طرف خاص توجہ دینا شروع کی، رادن پاکو تھوڑے ہی عرصہ میں امپل سے فارغ التحصیل ہو گئے۔

امپل کی درس گاہ میں رادن پاکو اور سنان کے صاحبزادے مخدوم ابراہیم میں بڑی گہری دوستی پیدا ہو گئی تھی چنانچہ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اُس زمانے کے رواج[1] کے مطابق دونوں سفر مکہ پر روانہ ہوئے۔ البتہ بیان کیا جاتا ہے کہ اُن کا یہ سفر پورا نہ ہو سکا اور یہ دونوں صرف سماترا تک پہونچ سکے جہاں رادن پاکو اپنے والد مولانا اسحٰق سے ملے اور ان کی نگرانی میں مزید علم دین حاصل کیا، کچھ عرصہ سماترا میں قیام کرنے کے بعد دونوں دوست جاوا واپس ہوئے لیکن کشتی یا جہاز سے نہیں بلکہ سطح سمندر پر پیدل چل کر!! مخدوم ابراہیم تو بان چلے گئے، رادن پاکو گریسک واپس ہوئے اور کچھ عرصہ اپنی منہ بولی ماں کی خدمت میں رہے اور ان کی تجارت میں مدد کی، اسی زمانے میں ایک بار وہ جاوا سے بورنیو تجارتی اشیاء سے لدا ہوا ایک جہاز لے کر گئے۔ بنجر BANDJAR کی بندرگاہ میں کچھ مال تو انھوں نے اُدھار فروخت کر دیا اور بقیہ غریبوں اور محتاجوں میں دل کھول کر تقسیم کر دیا قرض دار جب دس روز کی مدت ختم ہونے کے بعد بھی واپس نہ ہوئے تو انھوں نے اپنے ایک ساتھی ابوہریرہ سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے میری ماں نے اپنے مال پر زکوٰۃ نہیں ادا کی تھی اس لئے یہ جو مال گیا ہے اسے زکوٰۃ سمجھنا چاہیئے آخر وہ جہاز پر اینٹ پتھر اور ریت بھر کر جاوا واپس ہوئے، اپنے بیٹے کے کرتوت معلوم کر کے نیائی پناتی بہت ناراض ہوئی لیکن جب جہاز پر دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ اینٹ پتھر سے نہیں بلکہ ایسی چیزوں سے بھرا ہوا ہے جن کی گریسک کے باشندوں کو سخت ضرورت تھی، یعنی بید اور موم اس واقعہ کے بعد نیائی نے برابر زکوٰۃ دی، مدرسے بنوائے اور مسجدیں تعمیر کرائیں۔

رادن پاکو کو بابد جاوا میں کہیں کہیں پربھو ست موتو PRABU SATMOTO کا نام بھی دیا گیا ہے۔

رادن نے ایک ہی دن میں دو شادیاں کیں۔ ایک اپنے استاد سنان امپل کی صاحبزادی دیوی مرتاسیہ

[1] آج کل بھی حاجیوں کی سب سے بڑی تعداد انڈونیشیا سے جاتی ہے تقریباً ۳۵ - ۳۰ ہزار۔

سے جو بہت پہلے سے طے تھی اور دوسری ایک دل چسپ اتفاق کے تحت مولوی (کیاہی) آگنگ بنکل KJAHI AGUNG BENGKAL کی لڑکی دیوی واردھا کے ساتھ۔ کیاہی بنکل سورابایا کے ایک رئیس تھے ان کے باغ میں ایک انار کا درخت تھا جس میں صرف ایک پھل تھا۔ کیاہی نے عہد کیا تھا کہ جس شخص کے ہاتھ پہلے پہل یہ پھل لگے گا اس کے ساتھ وہ لڑکی کی شادی کریں گے، کالی ماس نام کی دریا میں جو اس باغ سے ہوکر بہتی تھی ایک بار نہاتے ہوئے رادن پاکو کے ہاتھ وہ پھل لگ گیا اور اس طرح انھوں نے دیوی واردھا کا ہاتھ شادی میں حاصل کیا۔

باوجود اس کے کہ رادن پاکو کی ماں کا بڑا کاروبار تھا ان کا دل تجارت میں نہ لگا اور ان کی زیادہ تر توجہ ہمیشہ تبلیغ وتعلیمِ اسلام کی طرف مائل رہی ایک بار انھوں نے ایک بھینس کے پیٹ میں بڑھ کر چالیس روز کا چلّہ کھینچا اور باہر آنے کے بعد طہارت کے لئے اپنے آنسوؤں سے غسل کیا وہ مقام جہاں یہ کرامت پیش آئی اب بھی موجود ہے۔ رادن پاکو کو سماترا سے واپسی کے وقت ان کے والد نے تھوڑی سی مٹی دی تھی اور ہدایت کی تھی کہ جاوا پہونچ کر جہاں اسی قسم کی مٹی ملے وہیں تبلیغِ اسلام کا مرکز بنائیں، جاوا پہنچکر رادن نے سب سے پہلے دمک میں ایک مسجد بنوائی اور اس کے بعد اس جگہ کی تلاش میں نکلے جس کے لئے مولانا اسحٰق نے انھیں مٹی نشانی دی تھی بڑی تلاش کے بعد انھیں مرگونوٹو MERGONOTO کے گاؤں کے پاس ایک پہاڑی پر ایسی جگہ ملی، وہیں انھوں نے مدرسہ کھولا، ایک محل تعمیر کرایا اور اپنے اہل وعیال کی رہائش کیلئے ایک مکان بنوایا۔ سنسکرت اور قدیم جاوانی زبان میں پہاڑ کے لئے لفظ "گری" ہے اسی مناسبت سے رادن پاکو نے سنان گری کا لقب اختیار کیا، گری کا مدرسہ جاوا میں بہت مشہور ہے جہاں کسی وقت اجاڑ بن تھا وہاں تحصیلِ علم کی سرگرمیاں شروع ہوگئیں اور نہ صرف جاوا بلکہ آس پاس کے جزیروں سے جوق درجوق طالبِ علم جمع ہونے لگے اور مدرسہ کے اردگرد اچھا خاصہ شہر بس گیا اس مدرسہ کی دھاک سترھویں صدی تک جمی رہی اور سنان گری کے جانشینوں نے اس کو جاری رکھا۔

سنان گری کی شخصیت بڑی ہمہ گیر خصوصیات کی حامل تھی وہ نہ صرف عالم وفاضل اور باکرامت ولی تھے بلکہ ساتھ ساتھ سیاست داں اور جنرل بھی تھے۔ دمک کی مسلم سلطنت اور مجاپاہت میں جب مڈبھیڑ ہوئی تو

سنان گری اس فوج کے کمانداروں میں تھے اور جاوا کی پہلی مسلم سلطنت میں وزیر کے عہدے پر تھے سنان گری نے جو دھاک اپنی زندگی میں قائم کر رکھی تھی وہ ان کے مرنے کے بہت دن بعد تک رہی سترھویں صدی عیسوی میں جب ڈچ نو آبادکار مجموعہ الجزائر پہونچے تو انھوں نے گری کے جانشین کو ایک طرح کا خلیفہ یا مسلم پوپ POPE سمجھا۔

ایک اور واقعہ سنان گری کی اپنے زمانہ میں شہرت اور مرتبہ کو ظاہر کرتا ہے ہتو مقام کے باشندوں کو جو انھیں کے زیر اثر مسلمان ہوئے تھے سنان نے ایک بار ایک پیغام بھیجا باشندوں نے بڑی دھوم دھام اور جشن کے ساتھ اس پیغام کا خیر مقدم کیا اور ڈھول تاشے اور توپوں کی سلامی سے اس خط کا استقبال کیا، مسجد میں زبردست جماعت کے سامنے پیغام پڑھا گیا اور مریدین و معتقدین نے بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ اُسے سُنا۔ گری کی درگاہ میں ایک قرولی کے متعلق مشہور ہے کہ وہ کسی وقت در اصل سنان کا قلم تھا جسے ایک بار انھوں نے حملہ آوروں پر پھینک کر مارا تو وہ قرولی بن گیا اور گھوم گھوم کر سارے دشمنوں کا خاتمہ کر دیا۔

رادن فتح پندرھویں صدی عیسوی کے وسط تک مجاپاہت کی ہندو حکومت کا زوال شروع ہو چکا تھا البتہ نام کو سلطنت اب بھی باقی تھی، پالم بانگ (سماترا) کے گورنر آریہ ڈام کے دربار میں اس وقت ایک شخص رادن فتح نام کا تھا، رادن فتح کے اوائل عمر کے حالات اور اصل کے بارے میں کچھ وثوق سے نہیں معلوم ہے کہیں تذکرہ میں انھیں آریہ ڈام کا لڑکا بتایا گیا ہے۔ بہر حال آریہ ڈام سے تعلق کی بنا پر رادن فتح کی پذیرائی جاوا میں کرتاوجے کے دربار میں ہوئی اس کے جاوا میں آمد کی تاریخ نہیں ملتی۔ رادن فتح نے کرتاوجے کی ایک پوتی سے شادی کی، کرتاوجے نے اُسے دمک کا ادی پاتی (گورنر) بنا دیا۔ یہ تھی ابتدا دمک کی مشہور اسلامی سلطنت کی۔ رادن فتح نے مجاپاہت کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر دمک سے اپنا رسوخ تمام وسط اور مشرقی ساحل پر قائم کر لیا اور مجاپاہت کا اقتدار گھٹتے گھٹتے ساحلی علاقے سے بالکل ختم ہو گیا۔ دمک کی دیکھا دیکھی دوسری ریاستیں اور جاگیرداریاں بھی خود مختار ہوتی گئیں، اس زمانے میں جاوا میں کئی وبائیں پھیلیں۔ آتش فشاں پہاڑ پھٹے اور زبردست قحط سالی آئی ان آفات میں گھر کر مجاپاہت حکومت کا نظم و نسق تدبر کے فقدان کے باعث اور بھی ڈھیلا ہو گیا۔ اس وقت تک ولیوں کی حیثیت صرف مذہبی تھی گو عوام پر ان کا اثر بہت گہرا تھا تاہم وہ ہنوز بزرگ دین ہی تصور کئے جاتے تھے، رادن فتح کی طبیعت اقتدار جوئی کیطرف ساتھ

اشاعتِ اسلام کی جانب بھی مائل تھی چنانچہ دمک اس وقت ان ولیوں کے اجتماع کا مرکز تھا۔ بابد جاوا کا کہنا ہے کہ ملک کی سیاسی خلاء کو پُر کرنے کیلئے ولیوں نے بیڑا اُٹھایا اور ایک مختصر سی جنگ کے بعد ۱۴۷۸ء میں مجاپاہت کو دمک کے زیرِ قیادت اسلامی ولیوں کے ہاتھ شکست ہوئی۔ مجاپاہت دوراندونیشی تاریخ میں عہدِ زرین مانا جاتا ہے۔ بایں ہمہ جہاں ولیوں کے اس کارنامہ کو سراہا گیا ہے وہاں اس سانحہ کا سوگ بھی کیا گیا ہے اور اس کی تاریخ یوں لکھی گئی ہے:-

"اور اس عظیم الشان سلطنت کی شان و شوکت خاک میں مل گئی" جاوانی "چندر شنکلہ" کے قاعدہ سے اس جملہ سے جاوانی سال کے سن ۱۴۰۰ج کی تاریخ نکلتی ہے، اس جنگ میں مجاپاہت کے خلاف کدیری KEDIRI کے ہندو راجہ گردھر وردھن نے بھی کی جو ۱۴۳۷ء ہی سے خودمختار ہوگیا تھا۔ جاوا میں مجاپاہت کے خاتمہ کے بعد دمک پہلی اسلامی سلطنت تھی اور رادن فتح اس کے پہلے حکمراں - رادن نے ۱۴۶۸ء میں دمک کی مشہور مسجد تعمیر کرائی۔

رادن فتح کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ دربار میں حاجی کا لباس پہن کر جیساکہ رواج تسلیم کیا جاتا تھا کبھی نہیں جاتے تھے کیونکہ ایسا کرنے سے وہ بیمار پڑ جاتے تھے (!) چنانچہ وہ ہمیشہ ہندو راجاؤں کا لباس پہنکر دربار کیا کرتے تھے، رادن فتح کو غالباً راجہ بن جانے کے سبب سنان کا خطاب نہیں دیا گیا پھر بھی انہیں ولیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

قدیم وقتوں میں جاوا میں پرستش اجداد کے لئے GEREBEG (گریبگ) کا تیوہار (تہوار) منایا جاتا تھا۔ اس موقعہ پر ارواح کو دعوت دینے کے لئے بڑے زور و شور سے گمیلان کی موسیقی بجائی جاتی تھی اور سورا کارتہ کے قریب اس موقعہ پر ایک زبردست میلہ لگتا تھا اس موقعہ کی دلچسپی کچھ ایسی تھی کہ اسلام پھیلنے کے بعد بھی نومسلموں نے اسے جاری رکھا، اس تہوار کو اسلامی رنگ دینے کا سہرا رادن فتح کے سر ہے۔ چونکہ انہیں دنوں میں میلاد نبی کی بھی تاریخ پڑتی تھی اس لئے رادن نے اس اتفاق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس تہوار کا نام گریبگ مولود رکھا۔ رفتہ رفتہ پرانی رسومات متروک ہوگئیں اور صرف میلاد نبی اس موقعہ کی تنہا اہمیت رہ گئی البتہ گمیلان جو کبھی مندر کے منڈپ میں بجایا جاتا تھا ہنوز مسجد کے احاطے میں بجتا رہا اور یہ رسم کم و بیش

آج بھی برقرار ہے گو سازوں کی تعداد میں کمی کر دی گئی ہے اور جمعہ کے روز موسیقی نہیں بجائی جاتی۔ گریبگ کے میلہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قیاس ہے کہ رادن فتح کے زمانہ میں نو مسلموں سے مجمع عام میں کلمۂ شہادت پڑھانے کا رواج پڑا جو بہت دن تک قائم رہا۔ آج کل اس مظاہرے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تاہم شہادت کا لفظ بگڑ کر سکاتین SEKATEN بن گیا ہے۔ اور یہ میلہ اور اس سے متعلق ایک گیلان اب بھی سکاتین یا سکاتی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ رادن فتح نے ۱۵۱۸ء میں انتقال کیا۔ ان کے بعد دمک پر انکے دو لڑکوں نے یکے بعد دیگرے سلطنت کی۔

فتح اللہ سولھویں صدی عیسوی سے انڈونیشیا کی تاریخ نے ایک نیا باب کھولا اگلے ساڑھے تین سو سال تک اس سرزمین پر جو ڈرامہ کھیلا گیا وہ ایک ایسا المیہ تھا جس کی مثال اس مہذب دنیا میں ملنا مشکل ہے۔ مرچ و مصالح کی خوشبوئیں اور مشرق کی بے پناہ دولت کی خبریں جب یورپ پہونچی تو سب سے پہلے پرتگالیوں نے ادھر کا رُخ کیا، اس زمانے میں یورپ میں موروں MOORS کے خلاف عیسائی جہاد چل رہا تھا، پرتگالیوں نے دنیا و عقبیٰ دونوں کا خیال رکھتے ہوئے اپنی تجارتی اغراض کو صلیبی جنگوں کے جذبہ سے خلط ملط کر دیا تاجروں اور مجاہدوں کے اس غول کو اپنی اس غلطی کا احساس بہت دیر سے ہوا وہ جزیرہ نما ملایا کے ملاکا MALAKA بندرگاہ تک ہی پہونچ پائے تھے کہ مقامی باشندوں نے انھیں مناسب سزا دی اور پرتگالی موروں کو کیفر کردار پہونچانے کی حسرت دل میں لئے اور مشرق کی دولت حاصل کرنے کے ادھورے خواب لئے واپس ہوئے، لیکن یہ تو ابتدا تھی ۱۵۱۱ء میں البقرق کے حوصلے گوا حاصل کرنے کے بعد بہت بڑھ چکے تھے لہٰذا اس نے بھی مشرق کی طرف قسمت آزمائی کی ٹھانی البتہ اس نے پہلے غول کی ناکامی سے سبق لیا اور اس بار پرتگالی کھلے بندوں تجارت کی غرض سے آئے گو مجاہدانہ جذبہ اب بھی باقی تھا۔ انھوں نے کئی مقامات پر حکام سے تجارتی معاہدے کئے، جاوا و سماترا کے نزدیک انھوں نے جذبۂ جہاد کا مظاہرہ کرنا بعید مصلحت سمجھا پھر بھی دور مشرق میں ملوکو MALUCCAS جزائر میں تاجروں کی سرپرستی میں عیسائیت کی بھی تبلیغ ہونے لگی۔

یہ پس منظر تھا جس وقت شمالی سماترا کے مشہور پسئی ریاست سے ایک مبلّغ فتح اللہ جاوا آئے اور دمک کے مسلم دربار میں پہونچے جہاں رادن فتح کے دوسرے لڑکے رادن ترنگونو تخت پر تھے، فتح اللہ کی شخصیت

کچھ ایسی با اثر تھی کہ دمک کے راجہ نے ان کے مشورہ سے سلطان کا لقب اختیار کرلیا۔ فتح اللہ کے جذبات پرتگالیوں کی طرف سے دوستانہ نہ تھے اور یہ بات پرتگالیوں کو بھی جلد ہی معلوم ہو گئی انھوں نے فتح اللہ کو تحقیر کا جو نام فلاتہان FELATEHAN دیا تھا وہ فتح اللہ کے ولی بن جانے کے بعد بھی باقی رہا بلکہ آج بھی انگریزی تذکروں میں فتح اللہ کے لئے فلاتہان ہی نام استعمال ہوتا ہے، فتح اللہ مغربی جاوا میں اشاعتِ اسلام کے بانی مانے جاتے ہیں، مغربی جاوا کے باشندے بہت قدیم زمانے سے اپنی علاقائی خصوصیات پر فخر کرتے ہیں یہ علاقہ سنڈا کہلاتا ہے اور سنڈانی باوجود اس کے کہ دوسرے جاوانیوں کے ہم نسل ہیں خود کو ہمیشہ جاوا سے الگ سمجھتے ہیں وہ اپنے ہندو مذہب کو بھی "اِگاما IGAMA (مذہب) سنڈا" کہتے تھے سنڈا اور جاوا کی ہمیشہ سے نوک جھونک چلتی رہی ہے[۵] - اسی علیحدگی پسندی کا سبب تھا کہ مغربی جاوا نے اس وقت تک اسلامی اثرات نہیں قبول کئے تھے، فتح اللہ کی آمد کے وقت اس علاقے میں پاجاجارن PEDJADJARAN کی مشہور سلطنت کا دور دورہ تھا اور سنڈا کلاپا (موجودہ جاکرتہ) اس کی مشہور بندرگاہ تھی۔ اسی بندرگاہ پر پرتگالی آکر اترے اور انھوں نے وہاں کے گورنر کے ذریعہ پاجاجارن حکومت سے سیاہ مرچ کی اجارہ داری حاصل کرنے کی کوشش شروع کی، اس سلسلہ میں انھوں نے گورنر سے ایک ہزار بورے ہر سال خریدنے اور دریائے چلی ونگ TJILIWUNG کے دہانے پر گودی قائم کرنے کی اجازت بھی لے لی۔ پاجاجارن کی طرف سے پرتگالیوں کی حوصلہ افزائی ہوتے دیکھ کر دمک کے سلطان کو خطرہ کا احساس ہوا فتح اللہ نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا اور دمک کی فوج کے ایک دستہ کی سربراہی کرتے ہوئے سب سے پہلے پاجاجارن کو آسانی سے مغلوب کرلیا

---

۵ مجاپاہت کے سب سے مشہور راجہ ہائم ورک HAJAM WURUK نے ایک بار پاجاجارن کی ایک شاہزادی سے شادی کی خواہش ظاہر کی چونکہ اس وقت مجاپاہت کا بڑا دبدبہ تھا اس لئے پاجاجارن کے راجہ نے اس رشتہ کو اپنی عزت افزائی سمجھتے ہوئے قبول کرلیا اور بڑے زور و شور سے شادی کی تیاریاں کرنے لگا۔ ہائم ورک کے مشہور وزیر اعظم گجہ مادا نے GADJAMADA جنھیں انڈونیشیا کا چانکیہ سمجھنا چاہیئے پاجاجارن کو مجاپاہت کی برابری کرتے دیکھ کر شادی کے انتظامات رکوا دئے اور مطالبہ کیا کہ شاہزادی کو شادی کی رسم کے بغیر ہائم ورک کے "حرم" میں دیدیا جائے۔ پاجاجارن نے چڑھ کر اعلانِ جنگ کردیا۔ اس جنگ کی داستانیں دونوں طرف آج بھی مشہور ہیں، جاوا اور سنڈا کی اسی وقت سے پرخاش چلی آرہی ہے، سنڈانی مسلمان ہونے کے بعد بھی پاجاجارن کی عظمت کو فخر سے یاد کرتے ہیں۔ مغربی جاوا کی یونیورسٹی پاجاجارن کے نام سے اب بھی موسوم ہے۔

اور پھر سنڈا کلاپا پر دھاوا بول کر پرتگالیوں کو وہاں سے نکالا، اپنی اس فتح کی یاد میں انھوں نے سنڈا کلاپا کا نام بدل کر جے کارتہ رکھا جو بعد کو بگڑ کر جاکرتہ ؎ بن گیا۔ جاکرتہ کو اپنی فوجوں کا مرکز بنا کر فتح اللہ نے رفتہ رفتہ پورے مغربی جاوا پر اقتدار قائم کر لیا سنہ ۱۵۲۷ء میں انھوں نے بنتم BANTAM کے حکمراں کو شکست دیکر وہاں دمک کے نائب کی حیثیت سے برسر اقتدار ہو گئے۔ ۱۵۲۸ء اور سنہ ۱۵۴۵ء کے درمیان انھوں نے چری بون۔ پاسوران اور لوموک تک اپنا تسلّط قائم کر لیا اور سنہ ۱۵۵۲ء میں انھوں نے بنتم کی عنانِ حکومت اپنے لڑکے حسن الدین کو سپرد کر کے خود چری بون جاکر مقیم ہو گئے اور اس کے بعد اپنی تمام تر توجّہ صرف تبلیغ و اشاعتِ اسلام پر صرف کی

فتح اللہ کا اصل نام ایک روایت کے بموجب شیخ نور الدین ابراہیم بن مولانا اسرائیل تھا۔ اس کے علاوہ کہیں کہیں انھیں شریف ہدایت اللہ، سید کامل، یا مولانا مخدوم رحمت اللہ کے نام بھی دیئے گئے ہیں، اُن کی جائے پیدائش یا اصل کے بارے میں باوثوق معلومات نہیں ملتیں، بابد جاوا میں انھیں ایک عرب رئیس کا لڑکا بتایا گیا ہے جو سنگاپور کی ایک مقامی عورت کے بطن سے تھے قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ بسیؔ میں پیدا ہوئے تھے جہاں ابتدائی تعلیم انھوں نے گھر پر رہ کر حاصل کی اور بعد کو مکہ معظمہ دینی تعلیم کے حصول کی غرض سے گئے مکہ سے واپسی پر ہی وہ جاوا آئے۔ یورپ و مشرقِ وسطیٰ میں اس وقت جو مذہبی پیکار ہو رہی تھی اس کے زیرِ اثر فتح اللہ جوش و خروش سے بھرے ہوئے تھے انھوں نے صلیبی جنگوں کے پس منظر ہی میں پرتگالیوں پر نظر ڈالی اور آخر کار ان کے خلاف کامیاب ہوئے۔

لیکن فتح اللہ نے جنرل یا مجاہد ہونے کے علاوہ مبلّغِ اسلام کی حیثیت سے بھی اپنا مقام پیدا کر لیا امپل گریسک اور دمک کے ساتھ ساتھ چری بون بھی جہاں انھوں نے سیاست سے کنارہ کشی کے بعد مدرسہ قائم کیا اور مسجد بنوائی ایک اہم اسلامی مرکز مانا جاتا ہے۔ فتح اللہ نے سنہ ۱۵۷۰ء میں انتقال کیا چری بون کے نزدیک گونُنگ جاتی GUNUNG DJATI کے پہاڑ پر اُن کا مقبرہ ہے اسی مناسبت سے انھیں سنان گونُنگ جاتی کہا جاتا ہے۔ دوسرے ولیوں کی طرح سنان گونُنگ جاتی بھی باکرامت بزرگ تھے انکے دستِ شفا کے بیسیوں قصّے عوام میں مشہور ہیں اور ان کا مقبرہ زیارتی مقام ہے۔

؎ ولندیزیوں نے جب جاکرتہ "فتح" کیا تو اپنے ملک نیدرلینڈس کے قدیم نام بٹاس کا نام بٹانیہ رکھا۔

سنان بونانگ | سنان بونانگ، سنان امپل کے مشہور صاحبزادے مخدوم ابراہیم تھے اور رادن پاکو کے بچپن کے دوست تھے انھوں نے جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے امپل کی درسگاہ کے بعد پسئی جاکر مذہبی علوم کی تعلیم حاصل کی اور جاوا واپس آکر توبان اور بونانگ کے جوار میں تبلیغی کام کیا اور مدرسے قائم کئے اور مسجدیں تعمیر کرائیں۔ سنان بونانگ کو علم کلام اور "نظریہ بیت المعمور" (؟) کا ماہر بتایا گیا ہے ۱۵۲۵ء میں ان کا انتقال ہوا، انکی تدفین کے بارے میں دلچسپ حکایات مشہور ہے ایک روایت کے بموجب ان کا مقبرہ بونانگ میں ہے جہاں انھوں نے ایک تبلیغی دورہ کے وقت انتقال کیا اور وہیں اپنی تعمیر کرائی ہوئی مسجد میں مدفون ہیں اسی رعایت سے انہیں سنان بونانگ کہا جاتا ہے۔ دوسری حکایت یہ بتاتی ہے کہ ان کا انتقال توبان میں ہوا مریدین نے ان کا جنازہ امپل لے جانے کی کوشش کی تاکہ انھیں اپنے والد سنان امپل کے پاس دفن کیا جائے لیکن راستہ میں طوفان اور بارش نے کشتی کو آگے جانے نہ دیا اور معتقدین سمجھ گئے کہ باکرامت ولی توبان ہی میں دفن ہونا چاہتے ہیں۔

سنان بونانگ سے ایک اور دلچسپ معجزہ منسوب کیا جاتا ہے۔ جاوا سے باہر کسی جزیرے پر ایک ہندو برہمن نے جو کتابی علوم کا ماہر تھا جب سنان بونانگ کے علم وفضل اور کرامت کے قصے سنے تو مقابلہ کی ٹھانی چنانچہ وہ اپنی تمام کتابوں سمیت سفر جاوا پر روانہ ہوا اس کی بدقسمتی تھی یا سنان بونانگ کی کرامت کہ راستے میں زبردست طوفان آیا اور اس کی ساری کتابیں غرق آب ہوگئیں۔ کسی طرح جان بچاکر وہ ساحل پہونچا تو اُسے ایک بزرگ ملے جنھوں نے اس کی خستہ حالی دیکھ کر دریافت خیریت کی۔ برہمن نے اپنی روداد سنا کر افسوس ظاہر کیا کہ اس کا سارا علمی خزانہ سمندر میں رہ گیا ہے ورنہ وہ سنان بونانگ کی اچھی خبر لیتا یہ سن کر بزرگ نے اپنے لوہے کی چھڑی جو اس وقت ان کے سامنے ریت میں گڑی تھی نکالی تو وہاں سے پانی نکلنا شروع ہوگیا اور دیکھتے دیکھتے برہمن کی ساری کتابیں اس میں تیرتی ہوئی نکلنا شروع ہوگئیں اس نے یہ معجزہ دیکھا تو سمجھ گیا کہ سنان بونانگ ہی کے حضور میں ہے وہ حد درجہ نادم ہوا اور اسی وقت سنان کا مرید ہوگیا۔ توبان کے ساحل کے پاس آج بھی ایک کنواں ہے جس کا پانی میٹھا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ وہی جگہ ہے جہاں سنان بونانگ نے یہ معجزہ دکھایا تھا۔

سنان قدس | انڈونیشیا کے غالباً سب سے زیادہ امن پسند اور روادار ولی سنان قدوس تھے، وہ حدیث

وتفسیر اور منطق وفلسفہ کے عالم مانے جاتے ہیں اور اسی لحاظ سے "ولی العلی" کہلاتے ہیں، قدوس جاوا میں ایک مقام کا نام ہے جو غالباً تنہا جگہ انڈونیشیا میں ہے جسے عربی نام ملا ہے - قدوس میں سنان کی تعمیر کردہ مسجد مناؤ بہت مشہور ہے اس مسجد میں ایک کتبہ ہے جو خیال کیا جاتا ہے کہ بیت المقدس سے لایا گیا تھا، اور اس مسجد کے احاطے میں وضو کیلئے جو حوض ہے اس پر آٹھ مورتیاں بنی ہیں جن کے متعلق قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ بدھ مت کے مشہور آٹھ بنیادی ارکان کی طرف اشارہ کرتی ہیں -

والی العلی سنان قدوس تبلیغ واشاعتِ اسلام کے بارے میں سب سے زیادہ "بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ" کے اصول کے پابند تھے کہا جاتا ہے کہ ہندو عقیدے کے لوگوں کو جمع کرنے کیلئے وہ جب وعظ کرتے تھے تو اپنے پاس ایک گائے کھڑی رکھتے تھے یہی نہیں انھوں نے اپنے مریدوں کو گائے ذبح کرنے اور اس کا گوشت کھانے کی ممانعت کر رکھی تھی تاکہ ان لوگوں کے جذبات مجروح نہ ہوں جو ہنوز ہندو تھے -

سنان قدوس نے رادن مخدوم ابراہیم (سنان بونانگ) کی صاحبزادی رد جیل سے شادی کی، ان کی اصل کے بارے میں کوئی قطعی معلومات نہیں ملتیں، کہیں انھیں فارس سے آئے ہوئے تاجر بتایا گیا ہے تو کہیں یہ کہ وہ پسئی سے جاوا آئے تھے کہیں ذکر ہے کہ ان کا اصل نام جعفر صادق تھا اور حج کے بعد انہیں رادن امیر حاجی کا لقب دیا گیا تھا - پھر کہیں بتایا گیا ہے کہ ان کی کنیت رادن اُن ڈنگ ONDUNG تھی، ایک پرانے تذکرہ میں اُن کا سلسلۂ نسب یوں ہے : "جعفر صادق (قدوس) بن رادن تمعان حاجی (سنان ان ڈنگ) بن رادن پنڈت بن ابراہیم سمرقندی بن مولانا محمد جمادی القربی بن زین الحسین بن زین القربی بن زین العلیم بن زین العابدین بن ساجد حسین بن علی رحمۃ اللہ علیہ" (!!) ایک اور روایت کے مطابق قدوس کے ایک حکمراں کیاہی تلنگ سُنگ TELANG SUNG نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی ریاست سنان قدوس کے حوالے کردی تھی جو اسی رعایت سے سنان قدوس کہلائے ایک اور تذکرہ کی رُو سے سنان قدوس چینی نومسلم تھے اور سنگ گنگ کے مشہور قبیلے کے ایک سنگتراش کنبے سے تعلق رکھتے تھے - جہاں سنان قدوس کا مقبرہ ہے اس جگہ کو اب بھی اس رعایت سے کپونگ (بستی) سنگ گنگان کہا جاتا ہے -

انڈونیشیا میں اسلام کی ابتدا جس طرح ہوئی اور ان کی تہذیب میں قدیم ہندو عناصر جس طرح اب بھی پائے جاتے ہیں ان کو دیکھ کر کچھ غیر ملکی جو مذہب اور تعصب کو الگ دیکھنے کے عادی نہیں ہیں بہت تعجب کرتے ہیں اور اس بارے میں عجیب و غریب رائیں رکھتے ہیں غالباً سب سے زیادہ بے انصافی ان نافذین اور محققین نے کی ہے جنھوں نے جلد بازی میں یہ لکھ مارا ہے کہ انڈونیشیا میں اسلام محض ایک سطحی عقیدے کی حیثیت رکھتا ہے اگر یہ رائے رکھنے والے وہ لوگ ہوتے جو بیرونِ ملک سے سیلانیوں کی طرح ایک ہفتہ کے لئے ہوائی جہاز سے انڈونیشیا آتے ہیں اور اپنے سفارت خانوں کی مدد سے کاک ٹیل پارٹیوں میں شرکت کرتے ہیں۔ بڑے بڑے حکام سے ملنے اور ان کے ساتھ فوٹو کھچوانے میں کامیاب ہوتے ہیں، بالی کی تفریح کرتے ہیں کچھ انڈونیشی دستکاری کے نمونے خرید کر دوسرے ہفتے واپس چلے جاتے ہیں اور یورپ و امریکہ کی مہذب "چیخ و پکار اور" لینا پلکنا "سے گھرے ہوئے ماحول میں بیٹھ کر انڈونیشیا پر کتاب لکھ ڈالتے ہیں تو میں اس قسم کے بہتان کو کوئی اہمیت نہ دیتا افسوس یہ ہے کہ ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جنھوں نے ایک زندگی انڈونیشی ثقافت کے گوناگوں پہلوؤں کی تحقیق پر صرف کر دی ہے اور ان کے تحقیقی کارنامے رہتی دنیا علم تمدن کے متلاشیوں کیلئے مشعلِ راہ ثابت ہوں گے۔ اس بہتان کا سبب صرف یہ ہے کہ ان محققین نے ثقافت کے اس قانون کو جو قدرت کے قوانین کی طرح اٹل ہے نظر انداز کر دیا ہے تمدن خواہ کتنے ہی اعلیٰ ارتقائی منازل طے کر کے سابق مذہبی اور تمدنی عناصر کے شائبے کسی نہ کسی شکل میں برقرار رہتے ہیں۔

ندوۃ المصنفین دہلی کی جدید مطبوعات
بابت سنہ ۱۹۶۲ء

تفسیر مظہری، اردو، جلد دوم	ہدیہ تیرہ روپے
اسلامی دنیا دسویں صدی عیسوی میں	" چھ روپے
معارف الآثار	" چار روپے
نیل سے فرات تک	" تین روپے

ناظم ندوۃ المصنفین، اردو بازار، جامع مسجد دہلی

ندوۃ المصنفین دہلی کی مطبوعات
(پاکستان) لاہور میں
میسرز شیخ مبارک علی
تاجر کتب اندرون لوہاری گیٹ
لاہور
سے مل سکتی ہیں